شریعت، طریقت اور اجتماعیت پر مبنی دینی شعور کا نقیب

ماہنامہ

رحیمیہ

لاہور

مجلس ادارت

سرپرست: ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن

صدر: مفتی عبدالمتین نعمانی

مدیر: محمد عباس شاد

بانی: حضرت اقدس مولانا **شاہ سعید احمد** رائے پوریؒ مسند نشین رابع خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

مدیر اعلیٰ: حضرت اقدس مولانا **مفتی عبدالخالق آزاد** رائے پوری جانشین حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ

جون 2019ء / رمضان المبارک، شوال المکرّم 1440ھ جلد نمبر 11، شمارہ نمبر 6 - قیمت: 20 روپے سالانہ ممبرشپ: 200 روپے تین سالہ ممبرشپ: 500 روپے

ترتیبِ مضامین

- مثالوں سے بات سمجھانے کا قرآنی اُسلوب
- عید کا حقیقی تصور
- حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور نبویؐ طریقۂ عید الفطر
- بڑھتے ہوئے حکومتی اخراجات اور ظالمانہ ٹیکس
- شعورِ کلیمی کی ضرب اور فرعونی نظام
- ارتفاقِ سوم؛ ملکی سیاسیات (2)
- ملکی نظام کی خرابی کی دو بنیادی وجوہات
- ''بیلٹ اینڈ روڈ بنانے کا جرأت مندانہ اقدام''
- عید کا فلسفہ و حکمت
- عید الفطر آزادی و حریت منانے کا دن ہے
- عید الفطر پر یومِ آزادی کے تقاضے سمجھنا
- عید الفطر اللہ کی بڑائی اور عظمت کا بیان ہے
- حضرت مولانا محمد صادق کھڈویؒ
- بنگلا دیش معاشی ماڈل
- حضرت خواجہ اجمیریؒ اور والئ دہلی پتھورا
- دینی مسائل

ارشادِ گرامی

حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ

مسند نشین ثانی خانقاہ عالیہ رحیمیہ رائے پور

''(فکری اور اَخلاقی تربیت کے لیے مرشد صالح کی) صحبت اور (اللہ پاک کے) ذکر (کا اہتمام) ضروری ہے۔ صحبت میں رہتے رہتے جو عیوب معلوم ہوتے ہیں، ان پر تنبیہ کرایا جاتا ہے (یعنی توجہ دلائی جاتی ہے) اور دعا بھی کی جاتی ہے کہ وہ نہ رہیں۔ اور (اللہ پاک کا) ذکر ایک روشنی ہے، جو انسان کو خود اس کے اپنے گناہوں کا احساس دلاتی ہے اور انسان ذکر کی روشنی میں اپنے عیب دیکھتا ہے اور پھر توبہ (کی طرف توجہ) کرتا ہے۔ توبہ (کبھی) ٹوٹ بھی جاتی ہے، مگر (انسان) نادم (ضرور) ہوتا ہے۔ اس سے اَور (روحانی) ترقی ہوتی ہے۔ کیوں کہ (انسان کی) اصل ترقی ندامت اور عاجزی میں ہے۔''

(مجلس: ۲۹ر رمضان المبارک ۱۳۶۸ھ/ 26ر جولائی 1949ء، بروز: منگل۔ مقام: رائے پور)

(ارشادات حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، ص 405، طبع: رحیمیہ مطبوعات، لاہور)

ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

رحیمیہ ہاؤس، 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور

0092-42-36307714,36369089-www.rahimia.org

Email: info@rahimia.org

رحیمیہ کا انگلش ایڈیشن ہماری ویب سائٹ پر پڑھا جاسکتا ہے۔

رقومات کی ترسیل بنام ''ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ ٹرسٹ لاہور'' اکاؤنٹ نمبر **0010030341820010** الائیڈ بینک مزنگ چونگی برانچ لاہور، برانچ کوڈ **0533**

www.rahimia.org

درسِ قرآن

تفسیر: شیخ التفسیر مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

مثالوں سے بات سمجھانے کا قرآنی اُسلوب

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ۭ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۭ وَيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ۭ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۝ (26:2)

(بے شک اللہ شرماتا نہیں اس بات سے کہ بیان کرے کوئی مثال مچھر کی یا اس چیز کی جو اس سے بڑھ کر ہے۔ سو جو لوگ مؤمن ہیں، وہ یقیناً جانتے ہیں کہ یہ مثال ٹھیک ہے جو نازل ہوئی ہے ان کے ربّ کی طرف سے۔ اور جو کافر ہیں، سو کہتے ہیں کیا مطلب تھا اللہ کا اس مثال سے؟ گمراہ کرتا ہے خدائے تعالیٰ اس مثال سے بہتیروں کو اور ہدایت کرتا ہے اس سے بہتیروں کو۔ اور گمراہ نہیں کرتا اس مثل سے مگر بدکاروں کو۔)

گزشتہ آیات میں قرآنی تعلیمات پر ایمان نہ لانے والوں سے کہا گیا تھا کہ اگر تم ان تعلیمات پر شک کرتے ہو تو اس جیسی کوئی سورت لا کر دکھاؤ۔ اور اگر ایسا نہ کر سکو اور یقیناً ایسا نہیں کر سکتے تو جہنم کی اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں اور جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے، جب کہ ان تعلیمات پر ایمان لانے والوں کے لیے جنت کی بڑی خوش خبری ہے۔ اس طرح عقلی پہلو اور آخرت کے معنوی نتائج کی صورت میں انھیں لاجواب کیا گیا۔ اس آیت میں منکرین کے ایک سوال کے جواب کے ضمن میں ایک ایسی واضح دلیل پیش کی جا رہی ہے جو ہر عام و خاص کو مثالوں کی صورت میں قرآنی تعلیمات کی صداقت سمجھاتی ہے۔ منکرین کا سوال تھا کہ جس کتاب میں مکھی مچھر جیسی حقیر چیزوں کی مثالیں ہوں، وہ اللہ کا کلام کیسے ہو سکتا ہے؟ اس لیے کہ ''بادشاہوں کا کلام بھی باتوں کا بادشاہ ہوتا ہے۔'' اس آیتِ مبارکہ میں اس سوال کا جواب دیتے ہوئے واضح کیا جا رہا ہے کہ مثالوں کے ذریعے سے بات سمجھانا کوئی شرم اور عیب کی بات نہیں، بلکہ عام لوگوں کو مثالوں کے ذریعے سے احکاماتِ الٰہیہ کی صداقت سمجھانا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ۭ: اللہ کو کوئی شرم نہیں کہ وہ مچھر یا اُس سے چھوٹی کسی شئے کی مثال بیان کرے۔ اس لیے کہ کسی بھی بات کو سمجھانے کے لیے عام لوگوں کو سمجھ میں آنے والی مثالیں دی جاتی ہیں۔ ان کی عقل و شعور کی سطح ہی ایسی ہوتی ہے کہ انھیں چھوٹی اور حقیر چیزوں کے ذریعے سے بات سمجھائی جائے۔ قرآن حکیم تمام انسانوں کے لیے عمومی حکم اور علم بیان کرتا ہے۔ جس حکم کا سمجھنا لوگوں کے لیے مشکل ہو رہا ہو، اسے عمومی مثالوں کے ذریعے سے سمجھایا جاتا ہے۔ جب کوئی مثال ذکر کی جاتی ہے تو اس سے حکم کی اصل حقیقت سمجھانا مطلوب ہوتا ہے، مثال میں ذکر کردہ اشیا کے بڑے چھوٹے ہونے یا حقیر اور عمدہ ہونے کو پیشِ نظر نہیں رکھا جاتا۔ اس لیے اس کتابِ مقدس پر یہ شبہ نہیں کیا جا سکتا کہ چھوٹی چیزوں کی مثالوں کی وجہ سے یہ کتاب اللہ کی طرف سے نازل نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغامِ ہدایت کو اس انداز میں نازل کیا ہے کہ جس سے تمام لوگوں کو احکامِ خداوندی پوری طرح سمجھ میں آ جائیں۔

اس پر اللہ کا شرم کرنا کیسا، بلکہ یہ مثالیں انسانی ضرورت کے عین مطابق ہیں۔ چناں چہ جو لوگ اللہ تبارک و تعالیٰ کے مقابلے میں پتھروں اور بتوں کو خدائی اختیارات کا مالک سمجھتے تھے، انھیں سمجھانے کے لیے یہ قرآنی مثال بہت خوب ہے: وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـــًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ۭ (73:22) (اگر کوئی مکھی ان کے سامنے سے کوئی چیز چھین کر لے جائے تو یہ اُسے ہٹا نہیں سکتے)۔ اب یہاں مکھی کی اس مثال سے پتھروں کے بتوں کی ناقص ترین حالت کو بہت خوبی کے ساتھ سمجھایا گیا ہے۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ: جو لوگ اللہ کی اس کتاب پر ایمان لانے والے ہیں، وہ یہ بات اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ اس طرح مثال دے کر بات سمجھانا اُن کے ربّ کی طرف سے بالکل برحق ہے۔ عقل مند اور باشعور لوگ اس بات کا فہم رکھتے ہیں کہ مثال میں ذکر کردہ چیز اور جو بات اس کے ذریعے سمجھائی جا رہی ہے، ان دونوں کا ہر پہلو سے ایک جیسا ہونا ضروری نہیں ہے، اور نہ ہی یہ ضروری ہے کہ جس چیز کی مثال دی جا رہی ہو، اس کا قد کاٹھ مثال دینے والے کے برابر ہو، بلکہ مثال سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ مطلوبہ بات یا حکم لوگوں کو اچھی طرح سمجھ میں آ جائے۔ چناں چہ لطیف احساسات رکھنے والے عقل مند لوگ ان مثالوں کے ذریعے سے قرآنی حکم کی معنویت سمجھ کر اُن کی صداقت پر ایمان لے آتے ہیں۔ ہر سنجیدہ آدمی جب مکھی کی اس مثال پر غور کرے گا تو یقیناً ایسے بتوں کی پرستش سے توبہ تائب ہو جائے گا کہ جو اپنے جسم سے مکھی تک نہیں اڑا سکتے، وہ خدائی کے شریک کیسے ہو سکتے ہیں؟

وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ: اس طرح کی مثالیں دینے سے ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہے کہ وہ لوگ جو اس کتاب پر ایمان لانے کے منافقانہ دعوے کرتے ہیں، ان مثالوں سے اُن کے اندر کا نفاق سامنے آ جاتا ہے۔ وہ طنزیہ کہتے ہیں کہ: ''اللہ نے یہ مثال دے کر کیا ارادہ کیا ہے؟'' ان لوگوں کی حالت یہ ہے کہ مثال کے ذریعے سے بات سمجھنے کے باوجود یہ لوگ منافقت سے کام لے رہے ہیں۔ اس طرح کی مثالوں سے مؤمنین اور منافقین کے درمیان فرق و امتیاز واضح ہو جاتا ہے۔ مؤمنین انھیں سمجھ کر حق کی حقیقت تک رسائی حاصل کر لیتے ہیں اور ہدایت حاصل کر لیتے ہیں، جب کہ اس سے کافروں اور منافقوں کی گمراہی واضح ہو جاتی ہے۔

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۭ وَيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ۭ: اس طرح ان مثالوں کے ذریعے سے بہت سے لوگ گمراہی کے راستے پر چل پڑتے ہیں اور اُن کا نفاق اور کفر کھل کر سامنے آ جاتا ہے۔ اور ایسی ہی سچی مثالوں کے ذریعے سے حکمِ الٰہی کی حقیقت تک رسائی حاصل کر کے بہت سے لوگ ہدایت یافتہ ہو جاتے ہیں اور انھیں دینی فہم و بصیرت حاصل ہو جاتی ہے۔

وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۝: ایسی مثالوں سے صرف وہی لوگ گمراہ ہوتے ہیں، جو فسق و فجور میں مبتلا ہوں۔ وہ انسانی معاشرے کے بنیادی معاہدات اور امور کو توڑنے کے عادی ہو چکے ہوں۔ ایسے لوگ صحیح علم و عمل پر مبنی بہترین پروگرام قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے، بلکہ انسانی معاشرے سے اپنے ذاتی اور گروہی مفادات حاصل کرنے کے لیے ظلم و ستم اور کفر اختیار کرتے ہیں۔ یہ لوگ سماجی معاہدات اور رشتے ناطوں کو توڑنے اور زمین میں فساد مچانے کے لیے ہر وقت تیار ہیں۔ ایسے لوگوں کی بداخلاقی کی تفصیلات اگلی آیات میں بیان کی جا رہی ہیں۔

www.rahimia.org

درسِ حدیث

از: مولانا ڈاکٹر محمد ناصر، جھنگ

عید کا حقیقی تصور

عَنْ أَنَسٍ: قَدِمَ (رَسُوْلُ اللّٰہِ) ﷺ اَلْمَدِیْنَۃَ. وَلَھُمْ یَوْمَانِ یَلْعَبُوْنَ فِیْھِمَا. فَقَالَ: ''مَا ھٰذَانِ الْیَوْمَانِ؟'' قَالُوْا: کُنَّا نَلْعَبُ فِیْھِمَا فِی الْجَاھِلِیَّۃِ. فَقَالَ: ''إِنَّ اللّٰہَ قَدْ أَبْدَلَکُمْ بِھِمَا خَیْراً مِنْھُمَا، یَوْمُ الْأَضْحٰی، وَ یَوْمُ الْفِطْرِ.'' (سنن ابو داؤد، حدیث؛1134)

(حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ جب حضور ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو اہلِ مدینہ دو دنوں میں کھیل کود کا تہوار مناتے تھے۔ آپؐ نے پوچھا: ''یہ دو دن کیسے ہیں؟'' انھوں نے کہا: دورِ جاہلیت میں ہمارے کھیل کے تہوار تھے۔ آپؐ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے ان سے بہتر دو دن بدلے میں دیے ہیں: عیدالاضحیٰ کا دن اور عیدالفطر کا دن۔'')

انسان کے نوعی اور فطری تقاضوں کا لحاظ دینِ اسلام کا طرۂ امتیاز ہے۔ انسانی روح کی پاکیزگی، عمدہ اخلاق، اعلیٰ انسانی اقدار اور اجتماعیت کا قیام شریعتِ اسلامیہ کی امتیازی شان ہے۔ یہودیوں کے دور سے مدینہ منورہ کے اندر منائے جانے والے خوشی کے دنوں کو حضور ﷺ نے ان دو مقدس اَیام سے یہ کہہ کر بدل دیا کہ یہ دونوں تہوار (عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ) پہلے تہواروں کا بہترین بدل ہیں۔

عیدالفطر کو رسول اللہؐ نے اللہ تعالیٰ کے انعام کا دن قرار دیا ہے۔ دسترخوان وسیع کرنے اور اہلِ خانہ پر اس دن فراخی کرنے کو آپؐ نے رحمتِ الٰہی کے حصول کا ذریعہ قرار دیا۔ عیدالفطر کے دن صاحبِ نصاب پر صدقۃ الفطر کو لازم کر کے معاشرے کے پس ماندہ لوگوں کو اپنی خوشی میں شریک کرنے کا حکم دیا گیا۔ اسی طرح عیدالاضحیٰ کو ایامِ حج کے مقدس ایام میں مقرر کیا گیا۔ اور صاحبِ استطاعت لوگوں کی طرف سے اس میں سب سے بڑی نیکی قربانی کرنا قرار دیا گیا ہے۔ یوں ان دونوں عیدوں کے احکامات انسانی روح کی پاکیزگی، عمدہ اخلاق اور اجتماعیت کے ساتھ مسرت کا اعلیٰ تصور پیش کرتے ہیں۔ اور کھیل تماشے کے بجائے تعلق مع اللہ اور انسانی حقوق کو ان اَیام میں شامل کر دیا گیا ہے۔

آج ہمیں اس بات کا جائزہ لینا ہے کہ کیا رمضان المبارک کے روزوں اور رات کو تراویح پڑھنے کی روح اور مقصد تزکیۂ نفس اور انسانی ہمدردی وہ ہمارے معاشرے میں موجود ہے؟ صورتِ حال یہ ہے کہ اس وقت پاکستان میں 50 فی صد کے قریب لوگ خطِ افلاس سے نیچے زندگی بسر کر رہے ہیں۔ انھیں حقیقی خوشیاں میسر نہیں ہیں۔ اس موقع پر ہمیں جہاں اپنے گرد و پیش کے لوگوں کو حتیٰ الوسع اپنی خوشیوں میں شریک کرنا ہے، اسی کے ساتھ یہ غور بھی کرنا ہے کہ یہ کیسی عید ہے کہ جو اجتماعی خوشی کے بغیر ہے؟ یہ کیسی عید ہے جس میں اکثریتی آبادی پریشان حال ہے؟ یہ کیسی عید ہے کہ جس میں محض لہو و لعب ہے؟ خداشناسی اور اس کی مخلوق سے سچی محبت حقیقی شکل میں نظر نہیں آتی۔ اس بار ہماری یہ عید حقیقی خوشی کے حصول کی طرف بڑھنے کا پہلا قدم ضرور ہونا چاہیے۔

صحابہؓ کا ایمان افروز کردار

مولانا قاضی محمد یوسف، حسن ابدال

حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور نبویؐ طریقۂ عیدالفطر

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنے والد کے ساتھ بچپن میں ہی مسلمان ہو گئے تھے۔ 10 سال کی عمر میں ہجرت کی۔ بدر اور اُحد میں چھوٹی عمر کی وَجہ سے شرکت کی اجازت نہیں ملی۔ پہلی مرتبہ غزوۂ خندق میں شریک ہوئے۔ اس کے بعد تمام غزوات میں شرکت کی اور خلافتِ راشدہ کے دور کی کئی فتوحات میں بھی شریک تھے۔ آپؓ کا قد درمیانہ تھا اور رنگ گندم گوں تھا۔ داڑھی میں سرخ خضاب لگاتے تھے۔ مضبوط ارادے کے مالک تھے۔ آپؓ ہر نماز کے وقت تازہ وضو کرتے۔ اتباعِ سنت اور تقویٰ میں ضرب المثل تھے۔ آپؓ تمام فتنوں سے علاحدہ رہے۔

حضرت عبداللہؓ مال و جائیداد میں سے جو چیز زیادہ پسند آتی، اس کو صدقہ کر دیتے۔ آپؓ نے زندگی میں ایک ہزار غلام آزاد کیے۔ کسی یتیم کے بغیر دسترخوان پر گوشت نہ تناول فرماتے۔ آپؓ مناسکِ حج سب سے زیادہ جانتے تھے۔ سفرِ حج میں حضور اقدسؐ کے پڑاؤ کے مقامات کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر وہاں نماز پڑھتے۔ رات کا اکثر حصہ عبادت میں گزارتے۔ 60 سال تک لوگ ان سے علمی و عملی امور اور دینی فتاویٰ میں رہنمائی لیتے رہے۔ اس عرصے میں آپؓ اپنے اور صحابہؓ کے احوال سے ہمیشہ مکمل آگاہ رہے۔ حضرت عبداللہؓ نے 84 برس کی عمر میں ۷۳ ہجری میں وفات پائی۔ آپؓ مقام ذی طویٰ میں مدفون ہیں۔

حضرت ابن عمرؓ عیدالفطر کے حوالے سے حضور اقدسؐ کے واقعات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپؐ عیدالفطر کے روز پیدل عیدگاہ جاتے اور جس راستے سے جاتے، اسے چھوڑ کر دوسرے راستے سے واپس تشریف لاتے۔ اس کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ دونوں راستوں کے فقرا کی مدد ہو۔ دونوں طرف کے لوگوں سے صلہ رحمی ہو جائے اور تمام علاقوں سے آپؐ کا رابطہ بحال رہے۔ میں آپؐ کے ساتھ عید میں تھا اور آپؐ نے اذان و تکبیر کے بغیر عید کی نماز پڑھائی۔ آپؐ عید کے خطبے میں قرآن حکیم پڑھتے اور نصیحت کی باتیں بیان فرماتے۔ حضرت عبداللہؓ سے راویت ہے کہ حضورؐ نے عیدگاہ جانے سے پہلے صدقہ فطر ادا کرنے کا حکم دیا اور خود بھی عیدالفطر کی صبح اس وقت تک گھر سے نہ نکلتے، جب تک کہ فقرا اور مساکین کو صدقہ فطر ادا نہ فرما دیتے۔

نیز فرماتے ہیں کہ حضور اقدسؐ عید کے لیے اکیلے تشریف نہ لے جاتے، بلکہ اپنے چچازاد بھائی، نواسے اور دیگر رشتے دار بچوں کو بھی ساتھ لے جاتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بچوں کو عیدگاہ ساتھ لے جانا مستحب ہے۔ نیز خوشی اور عبادت میں بچوں کو اپنے ساتھ رکھنا چاہیے، تاکہ وہ بھی دینی امور اور سماجی معاملات سے آگہی حاصل کر سکیں۔ قومی اور اجتماعی معاملات سے نسلِ نو کو آگاہی دینا بھی سنتِ نبوی ہے۔ حضور اقدسؐ نے مدینہ میں پہلی عیدالفطر پڑھائی تو بدر کی فتح کے بعد اور مکہ مکرمہ میں فتح مکہ کے بعد ادا کی تو مکہ کے شرک و ظلم اور استحصال پر مبنی نظام کو شکست دے کر۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہمیں عیدالفطر کو تعلیمی، تربیتی اور سماجی اقدامات کی روشنی میں منانا چاہیے۔

www.rahimia.org

شذرات

بڑھتے ہوئے حکومتی اخراجات اور ظالمانہ ٹیکس

''اس زمانے میں ملکوں کی تباہی اور بربادی کے دو بنیادی اسباب ہیں: ایک یہ کہ قومی خزانے پر مقتدر طبقوں اور انتظامی اخراجات کا بوجھ حد سے زیادہ بڑھ جائے۔ دوسرے یہ کہ ان اخراجات کو پورا کرنے کے لیے عوام پر ظالمانہ ٹیکس لگائے جائیں۔'' یہ بات عظیم انقلابی مفکر حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے 1747ء میں اپنی شاہ کار کتاب ''حُجَّۃُ اللّٰہِ الْبَالِغَہ'' میں لکھی تھی۔ شاہ صاحبؒ کا حکومت و معیشت کے بارے میں یہ تجزیہ اس خطے کی تاریخی حقیقت کی عکاسی کرتا ہے۔ اس تجزیے کے بعد کے دو سو سالہ دور (1747ء تا 1947ء) کی معاشی پالیسیوں کا جائزہ لیا جائے تو برعظیم پاک و ہند کی تباہی اور بربادی انھی دو بنیادی اسباب کی وجہ سے ہوئی۔

معاشی غارت گر یورپین بھیڑیوں نے یہاں کی دیوانی پر قبضہ کرتے ہی اس خطے کے غدار مقتدر طبقوں اور اپنے انتظامی افسروں کے اخراجات کے لیے ملکی اور قومی خزانے پر بوجھ ڈالنا شروع کیا۔ اور ان اخراجات کو پورا کرنے کے لیے اس خطے کے عوام پر ظالمانہ ٹیکسوں کا نفاذ کیا۔ ٹیکس ادا نہ کرنے والوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے گئے۔ ان کی جائیدادیں ضبط کی گئیں۔ انھیں کڑی سزائیں دی گئیں۔ اٹھارہویں صدی کے آخر میں ہندوستان میں پڑنے والے قحط سے لے کر بیسویں صدی کے وسط میں بنگال میں مصنوعی طور پر پیدا کیے گئے قحط سے لاکھوں انسانوں کی اموات ہوئیں۔

انگریز سامراج کے دور میں بننے والی معاشی پالیسیوں کا جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ ہر گزرتے زمانے کے ساتھ یہاں کی انتظامیہ کا حجم بڑھتا چلا گیا۔ انتظامیہ کے اخراجات کے نام پر یہاں کے ملکی خزانے پر ڈاکہ ڈالا گیا۔ انگریز سامراج یہاں آیا تو اس نے اس خطے کے مالیاتی وسائل پر للچائی ہوئی نظروں سے اسے ''سونے کی چڑیا'' قرار دیا اور اس کے بال و پر نوچنے اور اس سے سونے کے انڈے حاصل کرنے کے لیے استعمال کیا۔ ترقیاتی اخراجات کے نام پر لوٹ مار کا وہ بازار گرم کیا گیا، جس کی بدترین مثال ریلوے ٹریک بچھانے اور نہری نظام قائم کرنے کے لیے ہونے والے اخراجات کی ہے۔ یورپ میں ریلوے ٹریک بچھانے کے لیے ایک کلومیٹر پر جو اخراجات ہوئے، یہاں کے انگریز انتظامی افسروں نے اپنے رشتہ داروں کے نام پر تیرہ کمپنیاں بنا کر ہندوستان میں ریلوے ٹریک کے اخراجات گیارہ گنا زیادہ وصول کیے۔

اس طرح ہندوستان میں انگریز سامراج کے دو سو سالہ دور کے معاشی اقدامات کے نتیجے میں اس ملک کی تباہی اور بربادی کے بنیادی طور پر یہی دو اسباب رہے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ اس خطے کو برطانوی سامراج نے بہ ظاہر آزادی دی تو دونوں ملکوں کے قومی خزانے کروڑوں پونڈز کے مقروض تھے۔ اس طرح قرضوں کی معیشت کے ذریعے سے ملکوں اور قوموں کو جدید نوآبادیاتی غلامی کے عالمی سرمایہ داری نظام کی زنجیروں میں جکڑا گیا۔

اس خطے کے حریت پسندوں نے آزادی کی جدوجہد اس لیے کی تھی کہ ایک آزاد قوم کی حیثیت سے غلامی کے دور کی حکومتی اور معاشی پالیسیوں کا یہ ظالمانہ تسلسل ختم ہوگا اور قومی خودمختاری، آزادی اور حریت کی بنیاد پر اپنی معاشی پالیسیاں بنانے اور ملک و قوم کو ترقی دینے کے لیے ملکی تباہی کے ان بنیادی اسباب سے نجات حاصل ہوگی۔ حریت پسندوں کے سرخیل امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے ملکوں اور قوموں کی ترقی اور کامیابی کے بنیادی اسباب بیان کرتے ہوئے یہ بھی لکھا تھا کہ: ''یہ بات یاد رہنی چاہیے کہ کسی ملک کی ترقی کے لیے ضروری ہے کہ وہاں ٹیکسوں کا نفاذ کم سے کم ہو اور ان کی وصولی میں سہولت پیدا کی جائے۔ دوسرا یہ کہ ملکی نظم و نسق اور حفاظت کے لیے مقرر کردہ انتظامیہ صرف ضرورت کے مطابق ہونی چاہیے (تاکہ انتظامی اخراجات کا بوجھ کم سے کم ہو)۔ اس زمانے کے لوگوں پر لازم ہے کہ وہ اس نکتے کو اچھی طرح سمجھ لیں۔''

موجودہ حکومت نے 11/جون 2019ء کو اگلے سال کا مالیاتی بجٹ پیش کرنے کا عندیہ دیا ہے۔ یہ تو معلوم نہیں کہ کیسا ہوگا، لیکن پاکستان کے اب تک کے بننے والے تمام بجٹس بڑھتے ہوئے حکومتی اخراجات کے بوجھ اور عوام پر ظالمانہ ٹیکسوں کے نفاذ کے حوالے سے برطانوی سامراج کی غلامی کے دور کی تاریخ کو دہراتے رہے ہیں۔ 1947ء کے بعد امید تھی کہ قومی جمہوری سوچ کے ساتھ اس خطے کے عوام کے مفاد کے لیے حکومتی اور انتظامی اخراجات ضرورت کی حد تک رکھے جائیں گے اور ان اخراجات کو پورا کرنے کے لیے سہولت پر مبنی ٹیکسوں کا نظام قائم ہوگا، لیکن پچھلے بہتّر سالوں کی معاشی پالیسیوں کی تاریخ اس کے بالکل برعکس ہے۔

1949ء سے آج تک بننے والے تمام بجٹوں میں غلامی کے زمانے کی معاشی پالیسیوں کا تسلسل قائم رہا ہے۔ اور ایسا کیوں نہ ہوتا' جب انگریز دور کے وزارتِ خزانہ کے افسر غلام محمد سے لے کر موجودہ خزانہ افسران تک بین الاقوامی مالیاتی اداروں کے ملازمین ملک کی وزارتِ خزانہ چلائیں گے تو یہی کچھ ہوگا۔ اگر زمانۂ غلامی میں انگریز حکومتی افسران یہاں کی دولت لوٹ کر یورپ لے جایا کرتے تھے تو اب اس زمانے میں پاکستان کے مقتدر طبقے ملکی قومی خزانہ چوری کر کے سامراجی ملکوں میں منتقل کرتے رہتے ہیں۔ اس کے لیے ہر آنے والے نئے بجٹ میں مقتدر طبقوں اور انتظامیہ کے اخراجات کے مطالبات زر کی ایک لمبی فہرست بنائی جاتی ہے۔ اخراجاتِ جاریہ کا حجم بڑھتا ہی جا رہا ہے اور ترقیاتی اخراجات کے نام پر بھی جو رقومات رکھی جاتی ہیں، ان میں بھی وزیروں اور انتظامی افسروں کا کمیشن پیشِ نظر ہوتا ہے۔ اس طرح قومی خزانے پر ہر گزرتے دن کے ساتھ بوجھ بڑھ رہا ہے۔ یہاں کے مقتدر طبقات سیاست، مذہب، علم و دانش، صحافت و ادب اور سیکیورٹی خدمات کے نام پر قومی خزانے پر بوجھ بنتے جا رہے ہیں اور پھر ان کے درمیان ملکی خزانے سے مال جھپٹنے کے لیے آپس کی جنگ و جدل بھی ہے۔ شاہ صاحبؒ نے کہا تھا کہ: ''مال لوٹنے والے یہ تمام طبقے قومی خزانے سے مال جھپٹنے کے لیے ایک دوسرے پر دست درازی کرتے ہیں اور لوگوں کی معاشی زندگی کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔'' آج کچھ ایسی ہی صورتِ حال ہمارے ملک کو درپیش ہے۔ ایسے میں باشعور لوگوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ ملک اور قوم کی ترقی اور معاشی خرابی کے ان اسباب کا جائزہ لے کر قومی جمہوری بنیادوں پر ملکی ترقی کے لیے سوچیں اور درست سمت میں اقدامات کے لیے شعوری جدوجہد اور کوشش کریں۔

مدیرِ اعلیٰ

www.rahimia.org

شعورِ کلیمی کی ضرب اور فرعونی نظام

محمد عباس شاد، لاہور

رمضان المبارک کا مہینہ قرآن حکیم میں تدبر اور غور وفکر کی اپنی ایک خاص شان رکھتا ہے۔ رمضان کے گزشتہ مہینے میں ہمیں قرآن پاک میں غور وخوض کے لیے باہم مواقع میسر رہے۔ قرآن مجید میں ذکر کردہ گزشتہ اقوام کے بعض واقعات اور سابقہ اُمتوں کے کچھ معاشرتی کردار ایسے ہیں، جو آج ہمارے دور کے حالات پر چسپاں ہوتے ہیں۔ اگر ہم اپنے ملک و معاشرے کے آج کے حالات کو قرآن پاک کے بیان کردہ حالات وواقعات کے تناظر میں پیدا شدہ مسائل کے علاج کے لیے قرآنی فکر وبصیرت یقیناً تیر بہ ہدف نسخہ ثابت ہوگی۔

قرآنی قصص میں حضرت موسیٰؑ کی فرعون اور اس کے غلامی کے بدترین نظام کے خلاف جدوجہد کا قصہ تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔ ہر دور کی ظالم و جابر حکومتوں کا یہ وطیرہ رہا ہے کہ وہ اپنے زیرِ تسلط معاشروں میں تقسیم وتفریق کے طریقوں کو بڑی ہنرمندی سے استعمال کرتی رہی ہیں، تاکہ لوگ گروہوں اور جتھوں میں تقسیم ہوکر باہم دست و گریبان رہیں اور ایک دوسرے کو فنا کرنے کی فکر میں رہیں۔ فرعون نے بھی اپنے ہاں کچھ ایسا ہی ماحول پیدا کر رکھا تھا، جسے قرآن نے یوں بیان فرمایا ہے:

اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِیَعًا یَّسْتَضْعِفُ طَآىِٕفَةً مِّنْهُمْ یُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَیَسْتَحْیٖ نِسَآءَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ۝ (4:28)

(فرعون چڑھ رہا تھا ملک میں اور کر رکھا تھا وہاں کے لوگوں کو کئی فرقے۔ کمزور کر رکھا تھا ایک فرقے کو اُن میں۔ ذبح کرتا تھا اُن کے بیٹوں کو اور زندہ رکھتا تھا اُن کی عورتوں کو۔ بے شک وہ تھا خرابی ڈالنے والا۔)

فرعون نے ایک بھیانک خواب دیکھا تھا، جس کی تعبیر درباری کاہنوں اور اس کے دانش وروں نے یہ بتائی تھی کہ تیری حکومت کا خاتمہ ایک اسرائیلی لڑکے کے ہاتھوں ہوگا، جس کے بعد فرعون کے حکم سے نومولود اسرائیلی لڑکوں کا قتلِ عام شروع ہوا تھا۔ اس نے پوری قوم میں نگران مقرر کر رکھے تھے کہ جہاں خبر ہو کہ بچہ پیدا ہوا ہے، اسے ذبح کر دیا جائے، تاکہ نہ لڑکے زندہ رہیں اور نہ ہی بنی اسرائیل کو نوجوانوں کی قوت میسر آئے۔ کیوں کہ کسی بھی قوم کی متحرک قوت اس قوم کے نوجوان ہوتے ہیں اور آزادی وحریت کی تحریکات نوجوان طبقے کے بل پر ہی پروان چڑھتی ہیں۔ لیکن ریاست کے بااختیار طبقے فرعون کی طرح کبھی بھی یہ نہیں چاہتے کہ اُن کی قلم رَو میں کوئی ایسی تحریک پیدا ہو، جس کی روحِ رواں نوجوان قوت ہو، جو ان کے ظلم وجور کے نظام کو چیلنج کر سکے۔ حضرت موسیٰؑ نے فرعون کو ایک خدا پر ایمان لانے کی دعوت دی اور شرک وظلم سے باز رہنے کے ساتھ ساتھ اپنی قوم کی آزادی کا مطالبہ کیا تھا۔ اس پر فرعون نے ظالم اور عیار حکمرانوں کی روایت کے مطابق قوم کے لیڈروں کو ذاتی احسانات ونوازشات کا زیربار کر کے اُن سے قوم کی آزادی کا سودا کرنے کی کوشش کی۔ چناں چہ فرعون نے حضرت موسیٰؑ پر بچپن کے احسان جتلائے اور ایک مصری کے نادانستہ قتل کا معاملہ یاد دلا کر خوف زدہ کرنے کی کوشش کی، لیکن حضرت موسیٰؑ نے کسی ذاتی احسان پر پوری قوم کی غلامی کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ فرعون نے اپنی حیثیت منوانے کے لیے حضرت موسیٰؑ اور ان کے بھائی پر ہر طرح کا دباؤ ڈالا اور حضرت موسیٰؑ کو قید میں ڈالنے کی دھمکی دی۔ فرعون کے درباریوں نے حضرت موسیٰؑ کو ایک جادوگر قرار دے کر اُن کی دعوتِ حق اور پروگرام کو محض اقتدار پر قبضے کی کوشش قرار دیا۔ فرعون نے حکمرانوں کی حسبِ روایت حق و باطل کی پہچان کے بجائے محض اپنے اقتدار کے لیے خطرہ محسوس کرتے ہوئے حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ تم اس حربے سے مجھے اقتدار سے بے دخل کرنا چاہتے ہو۔ ظالم حکومتوں کا یہ دستور رہا ہے کہ انھوں نے ظلم کے خلاف جدوجہد کرنے والوں کو ہمیشہ جنونی اور جادوگر کہا ہے۔ یہ وار ہمیشہ مصلحین کو اپنے سینوں پر سہنے پڑے، لیکن ان کے قدم نہیں ڈگمگائے۔

اب فرعون حضرت موسیٰؑ کی جان کے درپے ہوا اور وہی روایتی ہتھکنڈا کہ حضرت موسیٰؑ سے قوم کے مذہب کو خطرہ ہے اور اس دعوت سے ملک میں بدامنی اور فساد پھیل سکتا ہے۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِیْۤ اَقْتُلْ مُوْسٰی وَلْیَدْعُ رَبَّهٗ ۚ اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ یُّبَدِّلَ دِیْنَكُمْ اَوْ اَنْ یُّظْهِرَ فِی الْاَرْضِ الْفَسَادَ۝ (26:40) (اور فرعون نے کہا: مجھے موسیٰ کو قتل ہی کر لینے دو اور اس کو چاہیے کہ یہ اپنے ربّ کو پکارے، میں ڈرتا ہوں کہ وہ تمھارے دین کو بدل ڈالے یا زمین میں فساد برپا کر دے۔)

فرعون جب قتلِ موسیٰؑ کے بارے میں اپنے سرداروں سے محوِ گفتگو تھا تو اس مجلس میں ایک مردِ مؤمن نے جرأتِ اظہار کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی حکمت آموز گفتگو سے فرعون کو اپنے ارادے سے باز رہنے کا مشورہ دیا۔ اس پر یہ لوگ حضرت موسیٰؑ کے بجائے اس کے درپے آزار ہو گئے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے ناپاک ارادوں کو پورا نہ ہونے دیا۔

حضرت موسیٰؑ کے عہد میں مصری تمدن میں مصری علوم وفنون میں سحر (جادو) کو مستقل ایک فن کی حیثیت حاصل تھی۔ یوں ساحرین (جادوگر) فرعون کے دربار میں اونچا مرتبہ رکھتے تھے۔ ریاستی معاملات جیسے جنگ وصلح اور فرعون کے اقتدار کو لاحق خطرات کے سدِ باب میں ان کی بہت وقعت تھی۔ چناں چہ حضرت موسیٰؑ کی دعوتِ حق کے مقابلے کی فرعونی حکمتِ عملی یہ ٹھہری کہ اپنے قلم رَو کے ماہر ساحرین (جادوگروں) کو جمع کر کے حضرت موسیٰؑ کو شکست دے دی جائے۔ ان کرائے کے کارپردازوں کے سحر کی حقیقت شعورِ کلیمی کے مقابلے میں محض شعبدہ بازی اور فریب خیالی تھی۔ چناں چہ یہاں سُنّۃُ اللہ کے مطابق اس حقیقت کا اظہار ہوتا ہے کہ ایک چھوٹی جماعت جو مشکلات کے باوجود حق پر قائم رہتی ہے، اسے کیسے پھلنے پھولنے کے مواقع فراہم کیے جاتے ہیں کہ وہ حقیقت جسے اب تک فرعون اور اس کے درباریوں نے قوم سے پوشیدہ رکھا تھا، اسے ساحرین کی اس جماعت نے برسرِ مجلس تسلیم کر لیا کہ حضرت موسیٰؑ کا یہ عمل جادو سے بالاتر خدا کا برحق معجزہ ہے اور وہ سجدے میں گر پڑے اور اعلان کر دیا کہ ہم موسیٰؑ اور ہارونؑ کے ربّ پر ایمان لاتے ہیں اور وہی تمام جہانوں کا ربّ ہے۔

ارتفاقِ سوم؛ ملکی سیاسیات 2

مترجم: مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ ملکی سیاست کی خرابیاں بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''(5۔مالیاتی خرابیاں:) ملک کو نقصان پہنچانے والے مالی معاملات یہ ہیں:

(الف) جوا کھیلنا۔ (ب) بڑھا چڑھا کر سودوصول کرنا۔

(ج) رشوت لینا۔ (د) ناپ تول میں کمی کرنا۔

(ہ) اشیا میں موجود خرابی اور عیب کو خریدار کے سامنے بیان نہ کرنا۔

(و) باہر سے آنے والے تاجروں سے سستی اشیا خرید کر من مانی قیمتوں پر بیچنا۔

(ز) اشیا اور اجناس کی ذخیرہ اندوزی کر کے مہنگی قیمت پر بیچنا۔

(ح) کسی مخصوص طبقے کا منڈی میں موجود اشیا کی قیمتوں پر اثر انداز ہو کر مہنگا کرنا۔

(6۔لوگوں میں لڑائی جھگڑے:) لوگوں میں آپس میں شکوک وشبہات کی بنیاد پر لڑائی جھگڑوں کا پیدا ہونا۔ ہر آدمی ان جھگڑوں میں اپنے شک اور شبہ پر ڈٹ جاتا ہے اور ان کے درمیان ہونے والے معاملات واضح طور پر سامنے نہ آئیں۔

ایسی صورت میں جھگڑے نمٹانے کے لیے زیر بحث معاملے پر:

(الف) گواہی طلب کی جائے۔ (ب) لوگوں سے قسم لی جائے۔

(ج) وثیقہ جات تحریر کیے جائیں۔ (د) دیگر قرائن اور شواہد دیکھے جائیں۔

(ہ) معاملات مسلمہ قوانین اور طریقۂ کار کے مطابق طے کیے جائیں۔

(و) طے کردہ فیصلے کو ترجیح دینے کی وجوہات ظاہر کی جائیں۔

(ز) زیر بحث معاملے میں فریقین کے مکر وفریب کو سمجھا جائے۔ وغیرہ۔

(7۔ملکی حالات کے مطابق تمدن اختیار نہ کرنا:) ملکی خرابیوں میں سے یہ بھی ہیں:

(الف) کسی ملک میں رہنے والے لوگ صرف دیہاتی سطح کی زندگی بسر کریں اور صرف ارتفاقِ اوّل کی سطح کو اپنے لیے کافی سمجھیں۔ (ارتفاقِ ثانی اور ثالث یعنی شہری اور قومی حوالے سے ترقی یافتہ تقاضوں کو پورا کرنے کی طرف توجہ نہ دیں۔)

(ب) کسی ملک کے لوگ اپنے حالات اور تقاضوں کے بجائے دوسرے ممالک کے غیر لوگوں کے مطابق رہن سہن اور تمدن اختیار کر لیں۔

(ج) ملک میں رہنے والے لوگوں کے اختیار کردہ (اقتصادی اور انتظامی) پیشوں کی تقسیم مجموعی طور پر ملک کے لیے نقصان دہ ہو، مثلاً

(۱) اکثر لوگ تجارت کی طرف توجہ دیں اور زراعت کو چھوڑ دیں۔

(۲) یا اکثر لوگ فوجی اور انتظامی خدمات کو اپنا پیشہ بنالیں، وغیرہ۔

(کسی زرعی) ملک کی ترقی کے لیے مناسب یہ ہے کہ وہاں کاشت کاری سے متعلق پیشوں سے وابستہ لوگوں کی تعداد زیادہ ہو، جیسا کہ کھانے میں غذائی اشیا کی مقدار زیادہ ہوتی ہے، جب کہ دست کاروں، تاجروں اور ملک کی حفاظتی خدمات سے متعلق پیشہ وروں (انتظامیہ اور سیکیورٹی فورسز) کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہونی چاہیے۔

(8۔درندوں اور نقصان دہ جانوروں کی کثرت:) کسی ملک کی خرابیوں میں سے یہ بھی ہے کہ وہاں انسانوں کو نقصان پہنچانے والے گوشت خور درندے پھیل جائیں اور لوگوں کو ڈسنے والے موذی کیڑے مکوڑے، مچھر وغیرہ کی کثرت ہو جائے۔

ایسی صورت میں ان کو ختم کرنے کے لیے کوشش کرنا ضروری ہے۔

[ملکی سیاست اور نظم ونسق کو درست رکھنے والے امور]

کسی ملک کی حفاظت اور اس کی ترقی کے لیے درج ذیل امور ضروری ہیں:

(1۔عوامی مفاد کی عمارتیں بنانا:) ایسی عمارتوں کی تعمیر کرنا، جس کا نفع تمام لوگوں میں مشترک ہوتا ہے، جیسا کہ:

(الف) شہری اور ملکی سرحدوں کی حفاظت کے لیے حفاظتی باڑ، یا دیوار تعمیر کرنا۔

(ب) لوگوں کے لیے سرائے اور عوامی استعمال کی عمارتیں تعمیر کرنا۔

(ج) حفاظتی قلعے تعمیر کرنا۔ (د) سرحدوں کی حفاظت کے لیے چوکیاں بنانا۔

(ہ) بازار تعمیر کرنا۔ (و) نہروں اور دریاؤں پر پُل تعمیر کرنا۔

(2۔ملک میں آب رسانی کا بہتر نظام بنانا:)

(الف) لوگوں کو صاف پانی مہیا کرنے کے لیے کنوئیں کھودنا اور چشمے تلاش کرنا۔

(ب) دریاؤں کے ساحلوں پر کشتیوں کو لنگر انداز کرنے کا نظام بہتر بنانا۔

(3۔تاجروں، کاشت کاروں اور صنعت کاروں سے حسنِ سلوک کرنا:)

(الف) تاجروں سے حُسنِ سلوک کرنا، انھیں ایسی تجارت پر اُبھارنا کہ وہ لوگوں کو کھانے پینے کی اشیا وافر مقدار میں مہیا کریں۔

(ب) ملک کے لوگوں سے کہنا کہ وہ دوسرے شہروں یا ملک سے آنے والے تاجروں کے ساتھ اچھا معاملہ کریں، تاکہ وہ کثرت سے اس ملک کا رُخ کریں۔

(ج) کاشت کاروں کو ابھارنا کہ وہ کوئی زمین بغیر کاشت کیے نہ چھوڑیں۔

(د) صنعت کاروں کو ابھارنا کہ وہ بہتر اور عمدہ اشیا بنائیں اور انھیں خوب سے خوب تر بنانے کے لیے پوری مہارت اور استعداد حاصل کریں۔

(ہ) شہریوں کو ابھارنا کہ وہ فضیلت کے درج ذیل علوم سیکھیں:

(۱) علم خطاطی اور تحریر نویسی (۲) علومِ ریاضی اور حساب

(۳) علم تاریخ اور جغرافیہ (۴) علم طب

(۵) مستقبل بینی کے لیے ثابت شدہ صحیح علوم

(4۔ملکی حالات سے باخبر رہنا:) کسی ملک کی حفاظت کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ملکی اور شہری معاملات کے بارے میں حکومت پوری طرح باخبر رہے، تاکہ:

(الف) ملک کے خیر خواہ اور ملک دشمنوں کا پتہ چلے۔

(ب) ملک میں موجود ضرورت مندوں کا پتہ چلے، تاکہ اُن سے تعاون کیا جائے۔

(ج) کسی صاحبِ علم وہنر کا پتہ چلے، تاکہ اُس سے ملکی ترقی میں مدد لی جائے۔''

ملکی نظام کی خرابی کی دو بنیادی وجوہات

(امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ مزید فرماتے ہیں:)

''اس زمانے میں ملکوں کی خرابی کے دو بنیادی اسباب ہیں:

[1۔ملکی خزانے پر اُسے لوٹنے والوں کا بوجھ] ایک بڑا سبب یہ ہے کہ اس ملک کے حکمران طبقے ملکی بیت المال اور قومی خزانے پر مالیاتی تنگی پیدا کر دیں۔ چناں چہ درج ذیل طبقے قومی خزانے سے مال بٹورنے کو اپنی عادت بنالیں:

(الف) کچھ لوگ اس لیے قومی خزانے سے مال وصول کریں کہ وہ عسکری خدمات سرانجام دینے والے غازی اور مجاہد ہیں۔

(ب) یا وہ اہلِ علم اور دانش ور لوگ جو یہ سمجھتے ہیں کہ قومی خزانے سے رقومات وصول کرنا ان کا حق ہے۔

(ج) یا ایسے لوگ جو یہ سمجھتے ہیں کہ جنھیں قومی خزانے سے انعام واکرام سے نوازنا حکمرانوں اور بادشاہوں کی عادت ہوتی ہے:

(۱) صوفیا اور زہد وتقویٰ کا ظاہری لباس پہننے والے لوگ

(۲) شاعر اور ادیب (صحافی) لوگ

(۳) یا قومی خزانے میں کسی نہ کسی طرح نقب زنی کرنے والے لوگ

(د) یہ لوگ ملک کو فائدہ پہنچانے والے کاموں کی طرف ہرگز توجہ نہیں دیتے۔ ان کے نزدیک سب سے بہترین پیشہ کسی نہ کسی طریقے سے قومی خزانے سے مال حاصل کرنا ہوتا ہے۔

(ہ) اس طرح قومی خزانے سے مال لوٹنے والے یہ تمام طبقے مال چھیننے کے لیے ایک دوسرے پر دست درازی کرتے ہیں اور دوسرے کی معاشی زندگی کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔

اس طرح یہ تمام لوگ ملک اور حکومت پر بوجھ بن جاتے ہیں۔

[2۔ٹیکسوں کا ظالمانہ نظام] ملکی خرابی کا دوسرا بڑا سبب یہ ہے کہ کاشت کاروں، تاجروں اور اہلِ صنعت وحرفت پر ظالمانہ ٹیکس لگا دیے جائیں اور ان کی وصولی کے لیے ان پر سختی کی جائے، یہاں تک کہ جو ٹیکس دینے والے ہوں، انھیں شدید نقصان پہنچے اور ان کا استیصال کیا جائے۔ اور ٹیکس نہ دینے والے طاقت ور طبقے من مانی کریں اور بغاوت پر اُتر آئیں۔

[ملکی ترقی کے دو بنیادی اصول]

یہ بات یاد رہنی چاہیے کہ کسی ملک کی ترقی کے لیے ضروری ہے کہ:

(1) ٹیکسوں کا نفاذ کم سے کم ہو اور ان کی وصولی میں آسانی پیدا کی جائے۔

(2) ملکی نظم ونسق اور حفاظت کے لیے مقرر کردہ انتظامیہ صرف ضرورت کے مطابق ہونی چاہیے (تاکہ انتظامی اخراجات کا بوجھ کم سے کم ہو)۔

اس زمانے کے لوگوں پر لازم ہے کہ وہ اس نکتے کو اچھی طرح سمجھ لیں۔''

(باب سياسة المدينة)

عالمی منظر نامہ

مرزا محمد رمضان، راولپنڈی

''بیلٹ اینڈ روڈ بنانے کا جرأت مندانہ اقدام''

25/اپریل 2019ء بروز جمعرات بیجنگ کے گریٹ ہال میں بیلٹ اینڈ روڈ فورم کا انعقاد عمل میں آیا، جس میں دنیا کے 37 ممالک کے رہنماؤں نے شرکت کی۔ یہ تین روزہ کانفرنس تھی، جس کا افتتاح چینی صدر نے کیا تھا۔ شی جن پنگ نے اپنے افتتاحی خطاب میں کہا کہ: ''آج کی یہ کانفرنس بیلٹ اینڈ روڈ کے قیام میں سنگِ میل ثابت ہوگی۔'' اس کانفرنس کا موضوع (Theme) ''بیلٹ اینڈ روڈ کے قیام سے معاشی ترقی کے اہداف کو مستقبل میں رکن ممالک کے مابین تقسیم کرنا'' تھا۔ چینی صدر کا کہنا تھا کہ ہم نے اس منصوبے کا باقاعدہ آغاز 2013ء میں کیا تھا، لیکن گزشتہ چند سالوں میں اس کی کامیابی کے حیران کن نتائج سامنے آئے ہیں۔ آج جب ہم نے اس کے دوسرے مرحلے کا اعلان کیا تو دنیا میں اسے شان دار پذیرائی حاصل ہوئی ہے۔ دنیا کے 150 ممالک کے 5000 مندوبین نے اس کانفرنس میں شرکت کے لیے رضامندی کا اظہار کیا تھا۔ اس کے علاوہ دنیا کی 90 عالمی تنظیمیں جن کا تعلق 5 براعظموں سے ہے، شرکت کر رہی ہیں۔ کانفرنس کے شرکا اپنے اپنے ملکوں کی حکومتوں، سول سوسائٹی اور کاروباری حلقوں کے علاوہ عالمی شہرت کی حامل تعلیمی درس گاہوں کی نمائندگی کر رہے ہیں۔ چینی صدر کے بہ قول اس فورم کا بنیادی تصور معیشت سے متعلقہ تمام شعبوں میں معاونت پیدا کرنا ہے، جس کے نتیجے میں نہ صرف انفراسٹرکچر تعمیر ہو، بلکہ معاشی ترقی کے عمل سے دنیا کی دریافت تیز تر ہو سکے۔ چینی صدر نے کہا کہ 2013ء میں جب یہ منصوبہ شروع ہوا تو اس کا نام اوبور (One Belt and One Road (OBOR تھا، جس کا مقصد قدیم شاہراہِ ریشم کا احیا تھا جو ایشیا اور یورپ کو ملاتی تھی، جب کہ اوبور کے ذریعے 78 ممالک کے درمیان رابطہ پیدا کرنے کا نیا نظام ترتیب دیا گیا تھا۔ آج یہ منصوبہ توسیع اختیار کر چکا ہے۔ اس منصوبے کا نام بدل کر 'بیلٹ اور سڑک کا جرأت مندانہ اقدام (Belt and Road Initiative) رکھ دیا گیا ہے۔ نئے منصوبے نے نہ صرف نئے ملکوں کو ملانے کا کام شروع کیا ہے، جن کی تعداد بڑھ کر 152 ہوگئی ہے، بلکہ نئی معاشی ترقیات کو بھی پروگرام کا حصہ بنا دیا گیا ہے۔

اس کانفرنس میں ہمارے وزیراعظم نے بھی شرکت کی ہے۔ اس فورم پر انھوں نے خطاب کرتے ہوئے ملکی ترقی میں اس منصوبے کے کردار کی تعریف کی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس منصوبے سے ہمارے ملک کا فائدہ تبھی ہے کہ جب یہاں کا ادارہ جاتی نظام مضبوط ہو اور قومی جمہوری تقاضوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے ملکی ترجیحات کا تعین کیا جائے۔ معاشی طور پر دوسروں کا یرغمال بننے کے بجائے اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے اور معاشی ترقیات کے لیے تربیت یافتہ افرادی قوت تیار کرنے پر توجہ دی جائے۔ ہنرمند افرادی قوت سے ہی کسی عالمی منصوبے سے درست فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

www.rahimia.org

خطبات و بیانات

رپورٹ: سیّد نفیس مبارک ہمدانی، لاہور

عید کا فلسفہ و حکمت

16/ جون 2018ء/ یکم شوال المکرّم ۱۴۳۹ھ کو حضرت اقدس مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے ادارہ رحیمیہ لاہور میں نمازِ عیدالفطر کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

معزز دوستو! آج بہت مبارک دن ہے۔ عیدالفطر کا دن مسلمانوں کے لیے نہ صرف عبادت، بلکہ خوشی اور مسرت کا دن بھی ہے۔ دین اسلام کے تمام امور دراصل عبادت بھی ہیں اور انسانی فلاح و بہبود، ترقی، دلی مسرت اور خوشی واطمینان کے لیے بھی ہیں، جن کا تعلق ارتفاقات سے ہوتا ہے۔ دین اسلام کی تعلیمات انسانوں کی فطری ضرورتیں پوری کرتی ہیں، جو بنیادی انسانی تقاضوں کی تکمیل بھی کرتی ہیں اور اسی کے ساتھ ساتھ اللہ کے ساتھ تعلق مضبوط کیا جاتا ہے۔ دین اسلام کا سب سے پہلا ہدف تو یہ ہے کہ انسانوں کے دل و دماغ میں اپنے خالق و مالک اللہ ربّ العزت کی عظمت اور بڑائی، اس کی ہیبت وجلال پیوست کی جائے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے دوسرا بڑا ہدف یہ ہے کہ انسانوں کے درمیان ایسے تعلقات اور روابط وجود میں آئیں، جو ایک دوسرے کے لیے مسرت وفرحت اور خوشی کا باعث بنیں۔ تمام اعمال میں اسی کے پیش نظر نبی اکرمؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ: ''لِکُلِّ قَوْمٍ عِیْدٌ وَ ھٰذَا عِیْدُنَا.'' (ہر قوم کی ایک عید ہوتی ہے، یہ عیدالفطر ہماری عید ہے۔) دنیا کی قومیں مسرت اور شادمانی کا دن اس وقت مناتی ہیں کہ جب وہ دن اُن کی اجتماعیت کی ایک اہم ترین شناخت کے طور پر سامنے آئے۔ اسی طرح ہر قوم اپنی آزادی وحریت کا دن مناتی ہے، جس دن میں اُس قوم کو غلامی سے نجات ملی ہو۔ آزادی حاصل ہوئی ہو۔ اس میں اپنے فیصلے خود کرنے کی اہلیت اور صلاحیت پیدا ہوئی ہو۔ اپنا ملکی نظم ونسق چلانے اور آزادی اور حریت کا جذبہ بیدار ہوا ہو۔ اسی دن کو آزادی کے طور پر منایا جاتا ہے۔

آج بھی دنیا بھر میں یہی دستور ہے کہ جس دن کسی قوم کا کوئی اجتماعی کام ہوتا ہے، تو قومیں اس اجتماعی کام کی تکمیل پر دن مناتی ہیں۔ اپنی آزادی کے دن کو بھی مناتی ہیں اور اپنے ملک وقوم کے نظم ونسق کو چلانے کے لیے بنائے گئے دستور وآئین کے نفاذ کے دن کو بھی مناتی ہیں۔ چناں چہ قومیں ''یومِ جمہوریہ'' اور ''یومِ دستوریہ'' مناتی ہیں۔ اور اسی کے ساتھ ساتھ آزادی اور حریت کے دن مناتی ہیں۔ یہ دونوں دن ہر قوم کے اندر لازمی اور ضروری ہوتے ہیں۔ یہ دن منانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس دن میں اپنے اجتماعی امور، اپنے دستوری تقاضے، اپنی آزادی اور حریت سے متعلق امور اپنی نئی نوجوان نسل تک منتقل کیے جائیں، تا کہ آنے والی نسلیں اپنے فکروعمل سے آگاہ ہوتی رہیں۔ بڑوں کے ساتھ بچے اور چھوٹے بھی جمع ہوں اور وہ اپنی قومی سوچ، قومی آزادی کے دن اور اپنے قومی اجتماعی عمل کو سمجھ سکیں۔ دینِ اسلام کے بھی یہی دو دن مقرر کیے گئے ہیں۔''

عیدالفطر آزادی وحریت منانے کا دن ہے

حضرت آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

''عیدالفطر آزادی اور حریت منانے کا دن ہے۔ فطر کا معنی کسی چیز کا ٹوٹنا، توڑ دینا یا افطار کر لینا ہے۔ جیسے ہم روزہ توڑنے کو بھی افطار کرنا کہتے ہیں کہ ہم نے روزہ کھول لیا۔ نبی اکرمؐ نے یہ عیدالفطر سب سے پہلے یکم شوال ۲ھ/ 17/ مارچ 624ء کو منائی۔ نبی اکرمؐ نے اس سے ٹھیک تیرہ چودہ دن پہلے ۱۷/ رمضان ۲ھ/ 3/ مارچ کو غزوۂ بدر کے موقع پر اس اُمت کے فرعون سے آزادی حاصل کی۔ ابوجہل کا خاتمہ ہوا۔ ستر بڑے بڑے سردار قتل کر دیے گئے اور ستر بڑے بڑے سردار گرفتار کر لیے گئے۔ گویا کہ دشمنوں کی سیاسی طاقت توڑ کر پورے جزیرۃ العرب اور حجاز میں اپنی آزادی اور حریت کا اعلان کر دیا تھا کہ اب ہم حجاز کے اندر کسی فرعونی طاقت کے غلام نہیں ہیں۔ اب ہم دینِ اسلام کی تعلیمات اور اللہ کے احکامات کے مطابق اپنی حکمرانی اور اپنے فیصلے خود کریں گے۔ جیسے فطر روزہ کھولنا ہے، یا روزہ توڑنا ہے، ایسے ہی فطر ابوجہل کے سسٹم کو توڑنا بھی ہے۔ اس ابوجہل کے سسٹم کو توڑنے اور رمضان المبارک کے بابرکت ایام میں اللہ کے حکم پر روزہ رکھ کر روزہ کھولنے، دونوں کی خوشی اور مسرت کے لیے عیدالفطر منائی گئی۔

مکہ مکرمہ میں دین پر عمل کرنے کی بات کی جاتی تو اس اُمت کا فرعون ابوجہل مسلمانوں پر تشدد کرتا تھا۔ اپنی حکومتی طاقت کا بے دریغ استعمال کرتا تھا۔ اُس نے نبی اکرمؐ کو تین سال شعبِ ابی طالب میں قید رکھا۔ حریت پسند جماعت کی آزادی سلب کرنے کی کوشش کی۔ اتنی مصیبتوں اور مشقتوں سے تیرہ سالوں میں مکہ مکرمہ میں نبی اکرمؐ اور اُن کی جماعت وجود میں آئی۔ آج عیدالفطر کے دن وہ موقع آیا ہے کہ جس نے آزادی سلب کی ہوئی تھی، جس نے اپنے وطن سے مسلمانوں کو مہاجر کیا، جس نے انھیں اپنے وطن سے نکالا، جس نے انسانیت پر مظالم ڈھائے، آج وہ اپنے انجام کو پہنچ چکا۔ اس کا پورا نظام توڑ دیا گیا۔ اس پر حضورؐ اور آپؐ کی جماعت نے مسرت اور خوشی کا اظہار کیا۔ اس لیے کہ یہ انسانی آزادی کا معاملہ ہے اور اس پر مسرت اور خوشی کا اظہار ہونا ضروری ہے۔ روزے کی ریاضت کے دن مکمل ہوئے اور ابوجہل کے مشقت اور تکلیف پر مبنی نظام کو توڑ کر ہم نے اللہ کا حکم پورا کیا ہے تو اب اللہ کا شکر ادا کرنا بھی ضروری ہے اور اس شکرانے کے لیے عیدالفطر کی دو رکعات ادا کی جاتی ہیں۔ پھر اللہ کے حکم پر عمل کرنے کے شکریے کے طور پر تکبیراتِ تشریق پڑھی جاتی ہیں۔ یہ گویا کہ اللہ کی بڑائی اور عظمت کا اعلان ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسلمان جماعت کو طاقت اور قوت عطا فرمائی کہ جس کے ذریعے اس نے ابوجہل کے فرعونی نظام کا خاتمہ کیا۔ ہم اللہ کے اس انعام کا شکریہ ادا کرنے کے لیے آپس میں بھی ایک دوسرے سے گلے ملتے اور مسرت کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ اس بات پر بھی خوشی کا اظہار ہے کہ اب ہم پر فرعونی فیصلے مسلط نہیں ہوں گے۔ اب ہم آزادی اور حریت کے ساتھ دینِ اسلام کی تعلیمات کے مطابق اپنا نظام قائم کریں گے۔''

www.rahimia.org

عیدالفطر پر یومِ آزادی کے تقاضے سمجھنا

حضرت آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

''مسلمان قوم 624ء سے لے کر آج تک مسلسل یہ یومِ آزادی (عیدالفطر) مناتی آرہی ہے۔ ہر یومِ آزادی پر یہ ضروری اور لازمی ہوتا ہے کہ اس آزادی کا پس منظر، آزادی سے متعلق امور اور اس کے فریڈم فائٹرز کا تذکرہ کیا جائے۔ انھوں نے آزادی کے لیے کیسے جدوجہد کی؟ کیا کیا قربانیاں دیں؟ آزادی کی اہمیت کیا ہے؟ قوموں کی زندگی میں غلامی کتنی بڑی لعنت ہوتی ہے؟ فرعونی اور قارونی نظام کیسے انسانوں سے اُن کی انسانیت چھین کر اس پر مظالم ڈھاتا ہے؟ یومِ آزادی کا بنیادی اصول اور ضابطہ یہی ہے کہ اس دن آزادی اور حریت کی قدر و قیمت بتلائی جائے کہ اس آزادی کا صحیح استعمال کیا ہے؟ اس حریت کے اصل نتائج کیا ہیں؟ اس کی اساس پر قومیں کیسے ترقی کرتی ہیں؟

عیدالفطر کا دن کوئی معمولی دن نہیں ہے۔ نبی اکرمؐ کا یہ دن منانے کا مطلب یہ ہے کہ اس دن میں آپؐ کے عمل (غزوۂ بدر) سے جو برکات پیدا ہوئیں، فرشتوں نے بھی اس میں شرکت کی، جس کے نتیجے میں ملاءِ اعلیٰ کا نظام غالب آیا۔ شہنشاہِ مطلق اللہ تبارک وتعالیٰ اور حضور اکرمؐ کے احکامات پر مبنی عالم گیر سسٹم قائم ہوا۔ اس لیے یہ دن خوشی کا اور مسرت کا دن ہے۔ اس کو قومی عید اور یومِ آزادی کے طور پر منایا جائے۔

اسی طرح اس یومِ آزادی پر اس بات کو لازمی اور ضروری قرار دیا گیا کہ صدقۂ فطر کے طور پر سوسائٹی کے پس ماندہ اور غریب لوگوں کو بھی اپنی اس مسرت میں شریک کیا جائے۔ اس لیے کہ اس دینی انقلاب کا بنیادی مقصد ہی یہ ہے کہ سوسائٹی کے پسے ہوئے طبقات کے حقوق کے لیے کام کیا جائے۔ یہ انقلاب اسی لیے لایا گیا ہے، ابوجہل کی جہالت اور ظلم پر مبنی فرعونی حکومت کا خاتمہ اسی لیے کیا گیا ہے کہ علم و شعور اور عدل و انصاف کو فروغ دیا جائے۔ انسانی حقوق پورے کیے جائیں۔ اس دن میں اس بات کا عزم کرنے کی ضرورت ہے کہ آزادی اور حریت کے دن میں دین کی تعلیمات کے بنیادی مقاصد و اہداف سمجھے جائیں۔ یہ کوئی رسمی دن نہیں ہے۔ اگر کوئی قوم اپنے یومِ آزادی کو رسمی طور پر منائے اور آزادی کی قدر و قیمت نہ سمجھائے تو اس اجتماع کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔ وہ صرف جھنڈیاں لہرائے، زندہ باد کے نعرے لگائے، کھائے پیے اور عیاشی کرے اور اپنے فکر و نظریے سے آگاہ نہ ہو، اپنی نوجوان نسل کو اپنی آزادی اور حریت کی قیمت نہ سمجھائے، اپنے حقوق کا شعور نہ دے، علم اور شعور کے فروغ کے لیے کردار نہ ادا کرے، تو ایسا 'یومِ آزادی' دراصل 'یومِ غلامی' ہوتا ہے، جو غلامانہ ذہنیت کو فروغ دینے کا باعث بنتا ہے۔ اس لیے آزادی اور حریت کے دن میں اُن بنیادی اساسی امور کو پیشِ نظر رکھا جائے، جو اس نظریے اور آئین کے لیے ضروری ہیں۔ پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ کسی بھی زمانے میں مسلمان جماعت پر دوبارہ غلامی کی حالت مسلط ہو جائے تو اس دن غلامی سے نکلنے کا شعور دینا ضروری ہوتا ہے۔''

عیدالفطر اللہ کی بڑائی اور عظمت کا بیان ہے

حضرت آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

''عیدالفطر کے دن اللہ کی بڑائی اور عظمت کا اعلان کرنا اور پھر آزادی حاصل کرنے کے پورے عمل میں اللہ نے جو انعامات کیے ہیں، اس پر دو رکعات شکرانے کے طور پر ادا کرنا واجب قرار دے دیا گیا کہ ان رکعات کو چھ زائد تکبیرات کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے۔ یعنی اس میں اللہ کی عظمت اور بڑائی کا مزید بڑھ چڑھ کر اظہار کیا جائے اور یہ اعلان کر دیا جائے کہ کوئی فرعون اور نمرود، کوئی شداد اور ہامان، کوئی لات و منات، کوئی ہُبل بڑائی کا حق نہیں رکھتا۔ اس کائنات کے اندر اگر بڑائی ہے تو وہ صرف اور صرف اللہ ربّ العزت کی ذات میں ہے۔ اور اللہ کا بنیادی حکم کل انسانیت کی فلاح و بہبود کا ہے۔

آج یہ دو ڈھائی سو سال سے جو غلامی ہم پر مسلط ہے، اس ماحول میں ہم عید بھی غلامانہ ذہنیت سے مناتے ہیں۔ ہمارا مذہبی طبقہ بھی عیدالفطر پر روایتی اور رسمی تقریریں کرتا ہے۔ عید کو محض رسومات کی ادائیگی کا ایک حصہ بنا کر رکھ دیا گیا۔ اس میں غلامی سے نکلنے اور اپنے مسائل کو حل کرنے کا کوئی جذبہ، اُمنگ اور اپنی اجتماعیت کو ترقی دینے کا شعور بیدار نہیں ہوتا۔ بس رسمی طور پر یہ دن آیا، دو رکعات نماز پڑھی، رسمی طور پر صدقۂ فطر ادا کیا اور کچھ رسومات سرانجام دیں کہ مٹھائی کھالی، کپڑے پہن لیے، کچھ ہلا گلا کر لیا اور اس کو ہم نے عید منانا سمجھ لیا۔ نہیں! بات یہ ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ محض اچھے اور خوب صورت کپڑے پہن لینا عید نہیں ہے۔ عید تو وہ ہے جس میں اللہ کے احکامات پر ایمان لا کر ان کو عمل میں لانے کا عزم اور ارادہ کریں۔ اللہ نے کائنات کا پورا نظام جن اصولوں پر قائم کیا ہے، ان کو قائم کرنے کے لیے جدوجہد اور کوشش کریں۔ تب تو عید ہے۔ محض رسم تو کوئی عید نہیں ہوتی اور نہ ہی عید کی تعلیمات رسمی ہیں، بلکہ وہ ایک شعور دیتی ہیں آزادی اور حریت کا، اللہ سے تعلق کا، انسانیت کی خدمت کا، انسانی حقوق کی ادائیگی کا، لوگوں کے مظالم دور کرنے کا، عدل و انصاف کو غالب کرنے کا، انسانی حقوق کو پورا کرنے کا۔ اس عزم اور ارادے کے ساتھ ہم یہ عید منائیں تو یقیناً ذہن کھلیں گے۔ غلامی کے جو جالے ہمارے دماغوں پر تنے ہوئے ہیں، وہ اُتریں گے۔ پستی اور کم ہمتی کے جو قفل ہمارے دلوں پر لگے ہوئے ہیں، وہ ٹوٹیں گے۔ آزادی اور حریت کا جذبہ بیدار ہوگا۔ جیسے آپ نے ادارہ رحیمیہ لاہور میں رمضان المبارک کے تیس دنوں میں حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ، امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ اور دیگر اولیاء اللہ، علمائے ربانیین کی تعلیمات کی روشنی میں قرآن کا انقلابی شعور حاصل کیا، اور اس سلسلے کے بزرگوں کی انقلابی تعلیمات سے اپنے ذہن و قلب کو منور کیا، شعور بلند کیا، ایسے ہی یہ عیدالفطر کا دن بھی اسی عزم، ارادے، حوصلے اور علم و شعور کی اساس پر ہمارے پیشِ نظر ہونا چاہیے۔ اس کے نتائج یقیناً ہماری زندگی میں بہتری کی شکل میں ظاہر ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس دن کی قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!''

عظمت کے مینار

وسیم اعجاز، کراچی

حضرت مولانا محمد صادق کھڈویؒ

بیسویں صدی عیسوی کا آغاز برعظیم پاک و ہند کی تاریخ میں بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے، انگریزوں کے غاصبانہ قبضے کے خلاف ملکِ عزیز کے ہر کونے سے تحریکاتِ آزادی میں حصہ لینے والے رجالِ کار اپنا کردار ادا کر رہے تھے۔ انھی دنوں تحریک شیخ الہندؒ نے آزادی و حریت کے لیے بھرپور کردار ادا کیا۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کی اس تحریک کے ایک نمایاں رُکن کراچی سے، مولانا محمد صادق کھڈویؒ بھی ہیں۔

مولانا محمد صادقؒ کی ولادت ۲۵ محرم الحرام ۱۲۹۱ھ/ 15 مارچ 1874ء کو کھڈہ کراچی میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اپنے والدِ گرامی سے حاصل کی۔ 1894ء میں دارالعلوم دیوبند میں حضرت شیخ الہندؒ کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے۔ جلد ہی ان کا شمار حضرت شیخ الہندؒ کے خصوصی تلامذہ میں ہونے لگا۔ جون 1895ء میں دارالعلوم دیوبند سے سندِ فراغت حاصل کرنے کے بعد اپنے والدِ گرامی کی نگرانی میں مدرسہ مظہر العلوم کھڈہ کراچی میں تدریسی کام میں مشغول ہوگئے۔

1914ء میں اُن کے والدِ گرامی کی وفات ہوئی تو حضرت مولانا محمد صادقؒ مدرسے کے مہتمم مقرر ہوئے۔ اُن کے دور میں مدرسہ مظہر العلوم آزادی کے ایک اہم مرکز کا کردار ادا کرتا رہا ہے۔ انھوں نے اس مدرسے کا الحاق دارالعلوم دیوبند سے کرایا اور نصب العین، مقاصد اور دستورُ العمل میں اس کے تابع کیا۔ نوجوانانِ وطن کو تحریکِ شیخ الہندؒ کے ساتھ جوڑا۔ حریت کے اس مرکز میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، امام انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ، حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ اور مولانا ابوالکلام آزادؒ وغیرہ کے متعدد دورہ جات ہوتے رہے۔

1910ء میں حضرت شیخ الہندؒ نے مولانا عبیداللہ سندھیؒ اور مولانا محمد صادق کھڈویؒ کو خاص طور پر دیوبند طلب فرمایا اور ''جمعیۃ الانصار'' کے قیام کے لیے مشاورت کی۔ ''جمعیۃ الانصار'' کے دیگر مراکز کے ساتھ ساتھ کراچی میں ایک مرکز قائم کیا گیا، جس کی نگرانی مولانا محمد صادقؒ نے کی۔ اس مرکز نے نہ صرف کراچی اور اس کے گردونواح میں حریت و آزادی کی شمعیں روشن کیں، بلکہ بلوچستان کے علاقوں میں بھی اپنا کردار ادا کیا۔

1915ء میں حضرت شیخ الہندؒ کی قیادت میں جاری تحریکِ ریشمی رومال میں بھی مولانا صادقؒ کی خدمات کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے بھی اس تحریک میں کلیدی کردار ادا کیا۔ تحریکِ ریشمی رومال میں مولانا سندھیؒ نے جب ایک فورس ''جنودِ ربانیہ'' کے نام سے تشکیل دی تو سندھ سے مولانا تاج محمود امروٹیؒ، مولانا محمد صادق کھڈویؒ، شیخ عبدالرحیم سندھیؒ وغیرہ کو شامل کیا، جنھیں مختلف ذمہ داریاں سونپ دی گئیں۔ مولانا محمد صادقؒ کو اس فوج میں ایک اہم عہدے پر فائز کیا گیا اور ان کے مدرسہ مظہر العلوم کھڈہ کو تحریک کا مرکز بنایا۔

1916ء میں مولانا محمد صادقؒ نے لسبیلہ بلوچستان میں مینگل قوم کے ذریعے بغاوت کرادی۔ مولاناؒ نے فتویٰ جاری کیا کہ: ''انگریز فوج میں بھرتی ہوکر ترکوں سے جنگ لڑنا کفر ہے۔'' اس بغاوت کی وجہ سے انگریزوں کو بہت زیادہ نقصان کا سامنا کرنا پڑا۔ بلوچوں میں حریت و آزادی کی روح پھونکنے کی پاداش میں مولاناؒ کو 3 سال تک پونہ شہر کی جیل میں نظر بند کردیا گیا۔

1918ء میں دوسری جنگِ عظیم کے اختتام پر انگریزوں نے ہندوستانیوں پر جبر کے پہاڑ توڑ دیے۔ اس جنگ کے دوران خلافتِ عثمانیہ کو بہت نقصان پہنچا، جس کو بچانے کے لیے مسلمانانِ ہند نے تحریکِ خلافت کی بنیاد رکھی۔ 1919ء میں جب تحریکِ خلافت کا آغاز ہوا تو مولانا موصوفؒ نے اس میں شمولیت اختیار کرلی۔ سندھ میں تحریکِ خلافت کی ابتدا اور بعد کی سرگرمیوں میں کلیدی کردار ادا فرمایا۔ 1921ء میں آل انڈیا خلافت کانفرنس کا ایک اہم اجلاس کراچی میں ہوا۔ مولاناؒ اس کانفرنس کی استقبالیہ کمیٹی کے چیئرمین تھے، جس میں ہندوستان کے متعدد علما شریک ہوئے۔

جماعتِ شیخ الہندؒ کے قائم کیے گئے اداروں میں سے ایک اہم نام جمعیت علمائے ہند کا بھی ہے، جس کی تاسیس 28 دسمبر 1919ء میں ہوئی۔ مولانا محمد صادقؒ اس میں شامل ہوئے اور جمعیت علمائے ہند کی مرکزی مجلس عاملہ کے رکن منتخب ہوئے۔ جمعیت علمائے ہند کے کام کو سندھ دھرتی میں منظم کرنے اور سیاسی کردار ادا کرنے کے لیے جب جمعیت علمائے سندھ کی بنیاد رکھی گئی تو انھیں اس کا پہلا صدر منتخب کیا گیا۔ سندھ کی سطح پر سیاسی سرگرمیوں اور عام و خاص کی تربیت میں جمعیت علمائے سندھ نے بھرپور کردار ادا کیا۔ تحریکِ شیخ الہندؒ کا مرکز مدرسہ مظہر العلوم کھڈہ لیاری ان سرگرمیوں کا مرکز بنا رہا۔

1939ء میں جب امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ وطن واپس تشریف لائے تو استقبال کے انتظامات کرنے والوں میں مولانا محمد صادقؒ پیش پیش تھے۔ حضرت سندھیؒ نے وطن واپسی کے بعد اپنا پیغامِ انقلاب پہنچانے کے لیے بیت الحکمت قائم فرمایا تو مولانا موصوفؒ حضرت سندھیؒ کے معاون کے طور پر ذمہ داریاں سرانجام دیتے رہے۔

1945ء میں آل مسلم پارٹیز کانفرنس دہلی میں جمعیت علمائے ہند کو بھی شرکت کی دعوت دی گئی تو اس کانفرنس میں طے پایا کہ سیاسی پارٹیوں کا ایک مشترکہ بورڈ قائم کیا جائے، جس کا نام ''آل انڈیا مسلم پالیمنٹری بورڈ'' ہو، اس کے تحت صوبائی بورڈ قائم ہوں۔ اس بورڈ کے ممبر کے طور پر مولانا محمد صادقؒ کو بھی شامل کیا گیا۔ وہ سندھ پارلیمنٹری بورڈ کے صدر منتخب ہوئے۔

تحریکی سرگرمیوں میں مولاناؒ نے اپنا سب کچھ قربان کردیا تھا۔ حضرت شیخ الہندؒ اور امام انقلابؒ سے محبت و عقیدت کا یہ عالم تھا کہ زندگی کے ہر موڑ پر ان کے پیش کیے گئے آزادی کے نظریے کے مطابق عمل کرتے رہے۔ زندگی کے آخری دنوں میں ضعف و کمزوری میں مبتلا ہوگئے۔ مولاناؒ 18 جون 1953ء بروز جمعرات کو عالمِ بقا کی جانب عازمِ سفر ہوئے۔ ان کا مزار کراچی میں کھڈہ لیاری کے قبرستان میں مرجعِ خلائق ہے۔

www.rahnimai.org

ملکی معیشت

محمد کاشف شریف، راولپنڈی

بنگلا دیش معاشی ماڈل

آج سے تیس سال پہلے بنگلا دیش ایک غیر اہم اور مسائل سے بھرا ہوا غریب ایشیائی ملک تھا، جس کے بڑے مسائل میں غربت، آبادی، ناخواندگی اور تواتر سے آنے والی قدرتی آفات تھیں۔ آج ایسا نہیں ہے کہ وہ نہ صرف یہ کہ ان تمام مسائل سے نکل گیا ہے، بلکہ معاشی میدان میں کچھ قابلِ ذکر سنگ ہائے میل ضرور طے کر لیے ہیں، جو اسے دیگر ایشیائی ممالک سے ممتاز کرتے ہیں۔ چناں چہ یہ کپڑے کی صنعت میں چین کے بعد دنیا کا دوسرا بڑا برآمد کنندہ ہے اور یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ بنگلا دیش کی برآمدی صنعت کا 80 فی صد ٹیکسٹائل سے متعلق ہے، جس کا 96 فی صد خام مال چین، بھارت اور پاکستان سے 5 ارب ڈالر میں درآمد کیا جاتا ہے اور کپڑوں کی صورت میں تیار مال مغربی ممالک کو چھ گنا قدر میں اضافے کے ساتھ برآمد کر دیا جاتا ہے۔ یوں سالانہ 28 ارب ڈالر کا زرِمبادلہ کمایا جاتا ہے۔

بنگلا دیش کی کپڑے کی صنعت کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کی 95 فی صد ملکیت مقامی سرمایہ کاروں پر مشتمل ہے۔ مستحکم زرِمبادلہ کے ذخائر کی وجہ یہ ہے کہ بنگلا کرنسی ٹکا 2012ء سے اب تک مستحکم رہا ہے، جب کہ اسی مدت کے دوران پاکستانی روپیہ قریباً 45 فی صد اپنی قدر کھو چکا ہے۔ چناں چہ آج ایک سو ٹکے بنگلا دیشی کے 160 روپے پاکستانی ملتے ہیں۔ دوسری طرف پاکستان کپاس پیدا کرنے والا دنیا کا چوتھا بڑا ملک ہے، جب کہ اس کی ٹیکسٹائل سے متعلق برآمدات صرف 10 ارب ڈالر ہے۔

1972ء میں بنگلا دیش کی آبادی چار کروڑ، جب کہ پاکستان کی تین کروڑ تھی، لیکن آج صورتِ حال یکسر بدل چکی ہے اور پاکستان آبادی کے لحاظ سے چار کروڑ نفوس زیادہ ہے۔ بنگلا دیش میں خواتین ورکروں کی تعداد کُل کا ایک تہائی، جب کہ پاکستان میں ایک چوتھائی ہے۔ صحت کے اعتبار سے بنگلا دیش پولیو کو خیر آباد کہہ چکا اور اُن کی اوسط عمر 73 سال ہے، جب کہ پاکستان کی اوسط عمر 66 سال ہے۔ دوسرا یہ کہ پاکستان میں آج بھی پولیو مہم جاری ہے اور اتنے لوگ پولیو سے نہیں مرتے، جتنے اس مہم کے دوران لقمہ اجل بن جاتے ہیں۔

اس حقیقت سے بنگلا دیش کی مقتدرہ بہ خوبی واقف ہے کہ اس کی حالیہ معاشی ترقی میں بہت بڑا حصہ صرف کپڑے کی صنعت کا ہے، جو بین الاقوامی تجارتی ترجیحات کے بدلنے سے تباہ کن ثابت ہو سکتا ہے۔ اسی لیے اب وہاں معاشی تنوع کی طرف قدم اٹھایا جا رہا ہے اور چمڑا، ادویات، آئی ٹی اور بحری جہاز بنانے کی صنعتیں بڑی تیزی سے بین الاقوامی منڈیوں میں اپنا لوہا منوا رہی ہیں۔ اس میں حیران کن بات یہ ہے کہ بنگلا دیش ادویات کی مقامی ضرورت کا 98 فی صد خود پیدا کرتا ہے۔

بنگلا دیش اور پاکستان کے ہمسائے میں دنیا کی پانچویں بڑی معیشت یعنی بھارت موجود ہے۔ اس موقع سے بنگلا دیش نے خوب فائدہ اٹھایا ہے اور گزشتہ پانچ سالوں میں ان دونوں ممالک کی باہمی تجارت کا حجم 9 ارب ڈالر تک پہنچ چکا ہے۔ اس سنگِ میل کو پانے کے لیے ان دونوں ممالک کے مابین 2015ء میں سرحدی تنازعات کا معاہدہ طے پایا ہے، جس کی وجہ سے امن کی راہ ہموار ہو چکی ہے، لیکن پاکستان کی مقتدرہ اپنی معاشی بقا کی خاطر پوری قوم کے معاشی مستقبل کو داؤ پر لگاتی آئی ہے۔ چناں چہ بھارت کے ساتھ امن کے دائرے میں چکر لگایا جاتا ہے اور امن کا یہ سفر کچھ عرصے بعد پھر صفر پر آ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان دونوں ممالک کے مابین تجارت صرف دو ارب ڈالر سالانہ کے حجم تک پہنچ سکی ہے، جب کہ ماہرین کے مطابق اس میں 35 ارب ڈالر تک جانے کی گنجائش ہے اور اگر افغانستان کا راستہ کھول دیا جائے تو اس میں 5 ارب ڈالر کا مزید اضافہ بہ آسانی کیا جا سکتا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ اس باہمی تجارت کا فائدہ صرف پاکستان کو ہوگا، بلکہ بھارت کو اس کی پھیلتی ہوئی معیشت کی توانائی کی ضروریات پوری کرنے کے لیے وسطِ ایشیا سے قدرتی گیس افغانستان کے راستے ہی ترسیل ہوگی، جس کے لیے 1680 کلومیٹر TAPI نامی گیس پائپ لائن کا منصوبہ رُوبہ عمل ہے۔ اسی طرح ایران سے قدرتی گیس کی بھارت ترسیل کا منصوبہ جو امریکی پابندیوں کی وجہ سے رُکا ہوا ہے، مستقبل میں شروع کیا جا سکتا ہے۔ یقیناً ایسے تجارتی روابط خطے میں جنگی حالات کی پیش بندی کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

ماضی میں بنگلا دیش کی طرح امن کی طرف بڑھنا شاید پاکستان کے لیے ممکن نہیں تھا، اس کے لیے اُسے اندرونِ ملک کئی جتھوں کو اور بیرونِ ملک کئی آقاؤں کو ناراض کرنا ہوتا۔ موجودہ معاشی چیلنجز سے نبرد آزما ہونے کا واحد راستہ یہی ہے کہ خطے کی تجارت بہ تدریج کھولی جائے۔ اس حوالے سے بنگلا دیش ماڈل کو زیرِغور لایا جا سکتا ہے۔ امید کی جا سکتی ہے کہ کرتار پور راہداری اس جانب ایک مثبت قدم ثابت ہوگا۔ قابلِ توجہ امر یہ ہے کہ بنگلا دیش کی عالمی سطح پر اہمیت پاکستان سے کہیں کم ہے۔ نہ ہی اس کے پڑوس میں عالمی طاقتوں کا مفاد ہے اور نہ ہی اس کے ساحلوں کی کسی کو ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ معدنی اعتبار سے بھی ایک کم وسائل والا ملک ہے، لیکن کمال یہ ہے کہ اگر حالات یہی رہے تو 2020ء میں بنگلا دیش کی حقیقی معیشت حجم کے اعتبار سے پاکستان سے بڑھ جائے گی، لیکن معاشی ترقی کا خواب اور اُسے پانے کے لیے انسانی زندگی میں بہتری جو تعلیم اور صحت میں عمومی بہتری سے عبارت ہو، ایک ایسا نصب العین ہے جو کسی بھی قوم کو بامِ عروج تک لے جاتا ہے اور دنیا کی تاریخ اس طرح کی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ وطنِ عزیز کو صرف یکسو اور متحرک سیاسی قوت چاہیے، جو معاشی ترقی، خطے میں امن اور تجارتی ماحول میں بہتری کے ایجنڈے پر چلے تو شاید پانچ دس سالوں میں کچھ ہو سکے۔

www.rahimia.org

تاریخ اسلام کے ناقابل فراموش واقعات — مفتی عبدالقدیر، چشتیاں

حضرت خواجہ اجمیریؒ اور والیٔ دہلی پتھورا

چھٹی صدی ہجری میں جب عربی خلافتِ عباسیہ کی کمزوری کا زمانہ شروع ہوگیا، اس زمانے میں اسلام کی مرکزی قوت غیر عرب علاقوں کی طرف منتقل ہو چکی تھی۔ صوفیائے کرام کی جماعتوں نے ان علاقوں میں اسلام کی مرکزیت کے لیے زمین ہموار کرنے کے لیے بلند کردار ادا کیا۔ چناں چہ امامِ ربانی خواجہ معین الدین چشتیؒ نے ۵۶۱ھ/1166ء میں ہندوستان کا سفر کیا، جب کہ پیرانِ پیر امام عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کا اس سال انتقال ہوا تھا۔ آپؒ ہندوستان کے مغربی حصے ''اجمیر'' میں تشریف فرما ہوئے۔ حضرت شیخ چشتی اجمیریؒ ہندوستان میں اسلامی سیاست کی رُوح کا منبع اور نظامِ تعلیم و ارشاد کا مرکز ہیں۔ (مولانا غلام علی) آزاد بلگرامی ''مآثر الکرام'' میں لکھتے ہیں:

''سلطان شہاب الدین غوری کو دہلی کے والی رائے پتھورا پر فتح ہوئی۔ یہ سب حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہٗ کے اَنفاسِ مبارکہ کے سبب ہوا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب حضرت خواجہؒ غزنی کی جانب سے اجمیر میں تشریف فرما ہوئے اور اس مقام میں قیام فرمایا تو اس وقت رائے پتھورا کی جانب سے مسلمانوں کو تکلیف پہنچی۔ حضرت خواجہؒ نے اس سے مسلمانوں کی سفارش کی۔ غیر سعادت مند رائے پتھورا کو آپؒ کی یہ سفارش قبول کرنے کی توفیق نہ ہوئی۔ اس نے کہا:

''یہ مرد اِس جگہ آیا ہے اور غیب کی باتیں بیان کرتا ہے۔''

حضرت خواجہ صاحبؒ اس پر ناراض ہوئے اور یہ جملہ آپؒ کی زبانِ مبارک پر آیا:

''پتھورا کو ہم زندہ گرفتار کریں گے اور اس کو ہم سزا دیں گے۔''

انھی دنوں میں سلطان شہاب الدین غوری، غزنی سے یہاں پہنچا۔ پتھورا اپنے بہت زیادہ غرور کے ساتھ مقابلے پر صف آرا ہوا۔ دونوں کے درمیان شدید لڑائی ہوئی۔ سلطان کام یاب ہوا۔ پتھورا کو زندہ گرفتار کیا گیا اور پھر قتل کر دیا گیا۔ اسی وقت سے اس علاقے میں اسلام کی بنیاد مستحکم ہونا شروع ہوئی۔ کفر کی بنیاد روز بروز ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوتی رہی۔ چناں چہ اسی وجہ سے حضرت خواجہ قدس سرہٗ کو ساتویں صدی کا مجدد کہا جاتا ہے۔'' (برصغیر میں تجدید دین کی تاریخ، ص 242) اس واقعے سے درج ذیل اسباق ظاہر ہیں:

1۔ سلطان شہاب الدین غوری نے دہلی پر فتح کے لیے کئی دفعہ کوششیں کیں، مگر کام یابی نہ ملی۔ یہ کام یابی درحقیقت حضرت خواجہ معین الدینؒ کی دعوتی سرگرمیوں کا نتیجہ تھی۔

2۔ رائے پتھورا کو آپؒ کی مظلوم مسلمانوں کی دادرسی کے لیے سفارش کرنا، آپؒ کی انسان دوستی کا ثبوت ہے۔

3۔ جب آپؒ کی سفارش رد کی گئی تو آپؒ کا تہدیدی جملہ ''پتھورا کو ہم زندہ گرفتار کریں گے اور اس کو ہم سزا دیں گے۔'' یہ صرف دعویٰ ہی نہ تھا، بلکہ اس کے پیچھے آپؒ کی ایک طویل حکمتِ عملی تھی کہ آپؒ نے پہلے زمین ہموار کر کے غوری کو بلایا۔

دینی مسائل

اس صفحے پر قارئین کے سوالات کے جوابات دیے جاتے ہیں!

از حضرت مفتی عبدالقدیر — شعبۂ دارالافتا ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

سوال بعض لوگ ماہِ شوال المکرّم کے روزوں پر بہت زور دیتے ہیں اور عید کے دوسرے دن ہی روزے رکھنا شروع کر دیتے ہیں، جب کہ بعض کو دیکھا گیا کہ وہ ان روزوں کو بالکل اہمیت نہیں دیتے۔ سوال یہ ہے کہ کیا شوال المکرّم میں روزے رکھنے چاہئیں؟ اگر رکھنے چاہئیں تو کتنے؟ نیز ان روزوں کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب یہ روزے مسنون اور مستحب ہیں۔ اگر رکھے جائیں تو بہت موجبِ اجر و ثواب ہیں۔ حدیث پاک میں ان چھ روزوں کو رمضان کے ساتھ ملا کر رکھنے کو سال بھر کے روزوں کے ثواب کے برابر قرار دیا گیا۔ یہ روزے عید کے فوری بعد رکھنا بہتر ہیں۔ اگر شوال کے اندر پورے کر لیے جائیں تو اسی اجر کی امید ہے۔ چناں چہ سنن دارمی میں حضرت ابوایوب انصاریؓ سے روایت ہے کہ وہ نبی اکرمؐ سے روایت کرتے ہیں: ''مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ اتْبَعَهُ سِتًّا مِنْ شَوَّالٍ فَذٰلِكَ صِيَامُ الدَّهْرِ.'' (جس شخص نے ماہِ رمضان کے روزے رکھے، پھر ماہِ شوال سے چھ روزے پیچھے لایا تو وہ صیام الدہر یعنی زمانے بھر کے روزوں کے مترادف ہے۔)

سوال نمازِ عید کی رکعتوں میں سپیکر کی آواز نہ پہنچنے سے امام سے دور پچھلی صفوں کے مقتدیوں نے ایک ایک سجدہ کیا۔ کیا ان کی نماز ہوگئی؟ اگر فاسد ہوگئی تو اب اکیلے اکیلے قضا کریں یا اجتماعی طور پر؟ (محمد نعمان شہر فرید چشتیاں)

جواب نمازِ عید میں جماعت شرط ہے۔ یہی وجہ ہے کہ:

۱) اگر کسی شخص کی نمازِ عید رہ گئی تو وہ اکیلے نمازِ عید نہیں پڑھ سکتا۔

۲) ایک شخص امام کے ساتھ نماز میں شریک ہوا، مگر کسی وجہ سے اس کی نماز فاسد ہوگئی، تو وہ بھی اس کی قضا نہیں پڑھ سکتا، نہ اس کے ذمہ اس کی قضا واجب ہے۔

۳) مگر جب بہت سے مقتدیوں کی ایک سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے نماز فاسد ہوگئی تو ان پر جماعت کے ساتھ قضا واجب ہوگی۔

سوال سود اور مضاربت میں کیا فرق ہے؟

جواب مضاربت میں دو شخص یا دو فریق ایک معاہدے کے تحت اس طرح کاروبار کرتے ہیں کہ ایک رقم لگاتا ہے، دوسرا محنت کرتا ہے، مگر نفع و نقصان میں دونوں شریک ہوتے ہیں، یہاں تک کہ نقصان کی صورت میں صاحبِ رقم اپنی اصل رقم کا نقصان یا ہلاکت بھی برداشت کرنے کو تیار ہو تو یہ جائز ہے۔ جب کہ سود، قرض کی رقم پر زائد رقم لینے کو کہا جاتا ہے، جو کہ حرام ہے۔ اور اسی طرح بعض ہم جنس اشیا جو ایک پیمانہ رکھتی ہوں، صرف اوصاف کی کمی بیشی سے باہم تبادلے میں نقد کی صورت میں بھی کمی بیشی یا ان میں ادھار کا معاملہ سود کہلاتا ہے اور یہ بھی حرام ہے۔

مدیر اعلیٰ مفتی عبدالخالق آزاد طابع و ناشر نے اے۔ جے پرنٹرز 28/A نسبت روڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہ نامہ ''رحیمیہ'' رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئینز روڈ لاہور سے جاری کیا۔